ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

رافعہ زبیر
پی ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر،لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور
ڈاکٹر نورین رزاق
اسسٹنٹ پروفیسر،لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور

کرونا کا آشوب اور اردو ناول

Rafia Zubair
Ph.D Research Scholar, Lahore College for Women University.
Dr. Noreen Razzaq
Assistant Professor, Lahore College for Women University.

Chaos of Corona and Urdu Novel

The COVID-19 pandemic deeply influenced Urdu fiction, particularly the Urdu novel, by introducing new themes of fear, isolation, uncertainty, and social transformation. The pandemic, caused by COVID-19, not only disrupted daily life but also reshaped literary imagination. Urdu novelists responded by portraying lockdowns, hospital scenes, migrant crises, economic instability, and psychological trauma as central narrative elements. In these novels, the home-once a symbol of comfort-often becomes a space of confinement, while hospitals emerge as intense sites of struggle between life and death. Writers explore how social distancing creates emotional distance, how misinformation spreads panic, and how technology becomes the primary medium of connection. Themes of loneliness, existential anxiety, and the fragility of human relationships are prominently depicted. The pandemic becomes a metaphor for moral, social, and spiritual crises. Overall, the pandemic expanded the thematic scope of the Urdu novel and opened new directions for contemporary literary expression. This article explores how Urdu novels portray different aspects of Covid-19.

Key Words: *Pandemic, Trauma, Lockdowns, Panic, Isolation, Depicted.*

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

اکیسویں صدی انسانی تاریخ کے ایک ایسے موڑ کی نمائندگی کرتی ہے جہاں ترقی، اضطراب، سہولت، پیچیدگی اور تبدیلی ایک ساتھ موجود ہیں۔ یہ صدی سائنسی انقلابات، ڈیجیٹل تہذیب، عالمگیریت، ماحولیاتی بحران، سیاسی بے یقینی اور شناخت کے نئے سوالات کی صدی ہے۔ انسان نے بے مثال سہولیات حاصل کیں مگر اسی کے ساتھ نئے فکری اور سماجی چیلنجز نے بھی جنم لیا۔ انٹرنیٹ، مصنوعی ذہانت، بگ ڈیٹا روبوٹکس اور بایوٹیکنالوجی نے زندگی کی رفتار تیز کی۔ کام، تعلیم اور معیشت کے انداز بدل دیے۔ عالمگیریت اور ثقافتی اختلاط سے دنیا ایک گلوبل ولیج بن گئی مگر انھیں ثقافتوں کے ملاپ اور تصادم نے زبانوں اور روایات پر اثر چھوڑا۔ سیاسی و سماجی بے یقینی، دہشت گردی اور جنگوں کے تسلسل نے طاقت کی نئی صف بندیاں تشکیل دیں۔ جمہوریت، آمریت اور عوامی شعور کی کشمکش نے بحران کی صورت حال پیدا کر دی۔ ڈیجیٹل دنیا کی تیز رفتاری نے فرد کو شناخت اور وجود کے بحران سے دوچار کیا۔ میڈیا اور معلومات کا سیلاب نیز فیک نیوز اور بیانیوں کی جنگ نے نئے فکری چیلنج سے دوچار کیا ہے۔ جسمانی اور ذہنی سطح پر نئے مسائل درپیش ہوئے۔ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی کے اختتام پر ایک عالمگیر وبا دنیا بھر میں پھوٹ پڑی۔ سارس کووی نامی (SARS Cove Name-2) وائرس کا چینی صوبہ ہوبئی (Hubei) کے شہر ووہان (Wuhan) میں دسمبر ۲۰۱۹ء میں ظہور ہوا اور اس برق رفتاری سے پھیلا کہ چند ہی مہینوں کے بعد یعنی ۱۱ مارچ کو عالمی ادارہ صحت نے اسے عالمی وبا قرار دے دیا۔ ۲۷ مارچ تک ۱۹۰ ملکوں یعنی مختلف خطوں میں اس وبا کے کم و بیش ۵ لاکھ انچاس ہزار سے زائد متاثرین کی اطلاع آچکی تھی جن میں سے چوبیس ہزار ایک سو افراد اس مرض سے لقمہ اجل بن گئے تھے۔ جبکہ ایک لاکھ اٹھائیس ہزار متاثرین صحت یاب ہوئے۔ جب یہ وائرس ساری دنیا میں پھیلنے لگا تو اس کی روک تھام کے لیے اسفار پر پابندی، قرنطینہ، کرفیو، تالا بندی، اجتماعات اور تقریبوں کا التوا یا منسوخی، عبادت گاہوں اور سیاحتی مقامات کو مقفل کر دینے جیسے اقدامات کیے جانے لگے۔ جن میں قرنطینہ، اطالیہ اور یورپ کے تمام علاقوں کی مکمل تالا بندی، چین اور جنوبی کوریا میں کرفیو، سرحدوں کی بندش، ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر سخت جانچ قابل ذکر ہیں۔ ۱۲۴ سے زائد ملکوں میں اسکولوں اور جامعات کو بھی بند کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کروڑوں طلبا کی تعلیم متاثر ہوئی۔

کرونا کوئی پہلا وبائی مرض نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف اوقات میں وبائی امراض پھوٹے اور اس کے نتیجے میں اموات ہوتی رہیں ہیں اور ادب میں مختلف اصناف میں اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ ادب اور ادیب سماج اور تاریخ کا شاہد ہے۔ انگریزی ادب میں مختلف وباؤں کے حوالے سے ڈینیل ڈیفو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

(Danial Defoe) کے رسالے (A Journal of Plague Year)، ایلیساندور مینزونی (Alessandro Manzoni) کے ناول (Betrothed)، البرٹ کامیو (Albert Camus) کا The Plague اور گبریل گارشیا مارکیز (Gabriel Garcia Marquez) کے ناول Love in The Time of Cholera لکھے گئے ہیں۔ نیز اردو ادب میں بھی ڈپٹی نذیر احمد کا ناول توبتہ النصوح ہیضے کی وبا کی عکاسی کرتا ہے۔ خالد جاوید کا ناول "ایک خنجر پانی میں" بھی وبا کے انسانی زندگی پر اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بسا اوقات وباؤں کا ظہور مخصوص جگہ اور مخصوص ٹائم فریم میں ہوتا ہے لیکن اس کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں۔ یہ اثرات ملکی معیشت، انسان کی نفسیات اور سماج کی زیریں اور ظاہری سطح پر نظر آتے ہیں۔ دنیا بھر میں لکھے جانے والے ادب (خواہ وہ کسی بھی زبان میں ہو) میں وباؤں کے پسِ پشت محرکات اور اس کے بعد نظر آنے والے اثرات کی عکاسی کی جاتی رہی ہے:

> "وباؤں کی تاریخ اور ان کے بارے میں لکھا جانے والا ادب ہمیں دکھاتا ہے کہ دکھوں کی انتہا موت کی دہشت، مابعد طبیعاتی خوف، اور عوام الناس کے مافوق الفطرت تجربے سب ان کے غیظ اور حکومت کے خلاف ان کے جذبات کے محرک تھے۔" (۱)

کرونا نے اردو ادب خصوصاً اردو ناول کو بھی گہرے طور پر متاثر کیا۔ یہ وبا صرف ایک طبّی مسئلہ نہیں رہی بلکہ سماجی تنہائی، خوف، موت کے احساس، انسانی رشتوں کی نئی تعبیر، ریاستی نظم، مذہبی رویوں اور ٹیکنالوجی پر بڑھتے انحصار جیسے موضوعات کو ادبی بیانیے کا حصّہ بنا گئی ہے۔ وبا نے متضاد بیانیے کو جنم دیا۔ فرصت اور قید کے لمحات میں فکر مند اور پشیماں انسان سوچ کے نئے جہانوں کا مسافر بنا۔ گومگو کی کیفیت نے زندگی کو سمجھنے کا ایک نیا انداز فراہم کیا:

> "کہیں یہ تو نہیں ہوا کہ ہم زندگی کے نارمل ردھم کی طرف لوٹ آئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وائرس طرزِ عمل کا خلل بل کہ یکسر پلٹاؤ ہے۔۔۔ یعنی وائرس کے مقابل آنے والی خلفشار میں مبتلا دنیا مُعیب تھی؟ وائرس نے ہمیں آخر کار وہ شے یاد دلا دی جس کا ہم نہایت شدّومد سے انکار کرتے آرہے تھے۔ یہ کہ ہم بے حد شکستنی مادے سے بنی نازک مخلوق ہیں۔ یہ کہ ہم مر جاتے ہیں۔۔۔ یعنی ہم فانی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

ہیں۔ یہ کہ ہم اپنی "انسانیت" کی بنا پر باقی دنیا سے الگ نہیں بلکہ دنیا عظیم جال کی ایک ایسی نوع ہے جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں اور دوسری مخلوقات کے ساتھ انحصار پذیری اور اثر اندازی کے نادیدہ دھاگوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ کہ اس بات سے قطع نظر کہ ہم ایک دوسرے سے کتنے بعید واقع ممالک میں بستے ہیں یا ہم کون سی زبانیں بولتے ہیں یا ہماری جلد کا کیا رنگ ہے ہمیں یکساں بیماریاں لگتی ہیں۔ ہمارے خوف یکساں ہیں۔ ہماری موت یکساں ہے۔" (۲)

اکیسویں صدی کے اردو ناول میں کرونا ایک ایسے تجربے کے طور پر سامنے آتا ہے جس نے انسان کے باطن اور معاشرت دونوں کو ایک ساتھ ہلا دیا۔لاک ڈاؤن نے انسان کو گھر کی چار دیواری میں محدود کر دیا۔ یہ کیفیت وجودی تنہائی، ذہنی دباؤ اور داخلی مکالمے کی صورت ظاہر ہوتی ہے اور اردو ناول ایک ایسا فکری اور وجودی بیانیہ تشکیل دیتا ہے جو وبائی عہد کی اجتماعی اور انفرادی کیفیات کو ادبی پیرائے میں پیش کرتا ہے۔اس وبا کو محض ایک طبّی یا سائنسی حقیقت کے طور پر زیر بحث نہیں لایا گیا بلکہ انسانی شعور، احساس اور نفسیات پر اس کے گہرے اثرات کو علامتی اور استعاراتی سطح پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وبا کے دوران لاک ڈاؤن، سماجی فاصلہ، خوف، تنہائی اور غیر یقینی صورت حال عام انسانی تجربات بن گئے۔ اردو ناول نگاروں نے ان تجربات کو اپنی تخلیقات میں سمویا۔ گھریلو زندگی جو پہلے سکون اور تحفظ کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ وہی قید خانے کا تاثر دینے لگی۔ انسان چار دیواری میں محدود ہو کر اپنی ذات سے مکالمہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس تنہائی نے ناولوں میں نفسیاتی گہرائی پیدا کی، جہاں انسان اپنی کمزوری بے بسی اور وجودی سوالات سے دوچار نظر آتا ہے۔اپنے آپ سے باتیں کرتا، ماضی کو کریدتا اور خوفِ مرگ سے نبرد آزما نظر آتا ہے:

"مجھے ان دنوں یہی محسوس ہو رہا ہے کہ انسانوں نے بھی موت کی بو سونگھ لی ہے سب سے الگ ہو گئے ہیں۔ دیگر انسانوں سے دور ہو کر، اپنی ذاتی آماجگاہوں میں پوشیدہ ہو کر تنہائی کی ایک موت کے منتظر ہو گئے ہیں۔ ان دنوں سب کے چہروں پر ڈر کی جو پرچھائیاں گزرتی جاتی ہیں۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ وہ فنا کو اپنی جانب رینگتے محسوس کو کر رہے ہیں۔ انسانوں کے اندر بھی وہ حیوانی حسّ بیدار ہو گئی ہے جو کب کی مفقود ہو چکی تھی۔ انھیں بھی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

موت کی بو آرہی ہے" (۳)

کرونا کے دنوں میں زندگی حبس زدہ اور ایک دائرے میں مقید ہو کر رہ گئی۔ ہمہ وقت ایک انجانے خوف کے ساتھ شب وروز گزرنے لگے۔ ایک اور مثال دیکھیے:

"وہ سوچ رہا تھا کہ پہلے زندگی کتنی اچھی طرح سے گزر رہی تھی۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں اور رونقیں تھیں لیکن اب ماحول میں ایک انجانا خوف موجود ہے۔ ابھی تو لاک ڈاؤن کا پہلا دن ہے اور لوگ قید ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر سب کچھ ایسے ہی رہا تو پھر زندگی کیسے گزرے گی؟ کاشف اپنے آپ سے ہی سوال وجواب کر رہا تھا" (۴)

موت کا خوف صرف اپنی ذات تک محدود نہیں تھا۔ اس سے بڑھ کر اپنے پیاروں کے لیے خوف تھا۔ ماں باپ سے دوری، بچوں کو گلے لگانے میں احتیاط، بزرگوں سے ملنے میں ہچکچاہٹ - یہ سب جذباتی اذیت کا باعث بنے۔ جن گھروں میں کوئی بیمار ہو جاتا، وہاں ہر لمحہ قیامت کا ساسماں ہوتا۔ تنہائی میں قرنطینہ کیے گئے افراد کے لیے یہ خوف اور بھی گہرا تھا کیونکہ وہ جسمانی تکلیف کے ساتھ ذہنی اضطراب بھی جھیل رہے تھے۔ انھی دنوں میں انسان نے زندگی کی اصل قدر بھی پہچانی صحت کی اہمیت، سانس کی قیمت اور رشتوں کی حرمت کا شعور بیدار ہوا۔ بہت سے لوگوں نے خوف کے اس اندھیرے میں امید کے چراغ جلائے۔ ایک دوسرے کی مدد کی۔ حوصلہ دیا اور دعا کو سہارا بنایا:

"آزردگی کے یہ موسم طول پکڑتے جاتے ہیں، آخر آپ مزید کتنا تنہا، کتنا آزردہ ہو سکتے ہیں۔"

ایسا نہیں کہ میں اپنی موت سے خوفزدہ ہوں۔

صرف یہ ہے کہ میں وبا کے ان دنوں میں مرنا نہیں چاہتا.. وبا کا شکار ہو کر اپنی اولاد کو امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ انسان دنیا کی ہر حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے لیکن موت کی حقیقت کو کبھی نہیں، کم از کم اپنی موت کی حقیقت کو کبھی نہیں شاید موت سے انکار ہی زندگی کی علامت ہے.. وبا کے ان دنوں میں مر جانا بہت غیر مناسب لگتا ہے

--------میں موت سے صرف اس لیے ڈرتا ہوں . وبا کے ہاتھوں مرنے سے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس لیے خوف کھاتا ہوں کہ وہ آئیں گے اور مجھے لے جائیں گے۔ یہ کوئی نارمل روٹین کی موت تھوڑی ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔" (۵)

شہری زندگی کا لامتناہی شور کسی پر اسرار خاموشی میں بدل گیا۔ شہر خالی پن سے بھر گئے لیکن آسمان پھر سے نیلگوں اور ہوا نتھر گئی۔ سورج اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ فگن تھا۔ طویل عرصے کے بعد گھروں کے اندر افراد خانہ یکجا ہوئے۔ گلیوں میں بلیاں پہلے سے زیادہ آزادی کے ساتھ آوارگی کرتی یا باہری دیواروں پر کودتی پھاندتی دکھائی دینے لگیں۔ کتے سر شام ہی سڑکوں پر نکلنے لگے۔ وبا کے دور میں انسانی وجود کی لایعنیت اور نفسیاتی اثرات تو ایک ناقابلِ تردید حقیقت کے طور پر سامنے آئے لیکن کائناتی ہم آہنگی، ماحولیاتی تغیّر اور غیر انسانی حیات کے مسائل بھی اپنی طرف توجہ مبذول کرانے لگے۔ انسان کو احساس ہوا کہ اس نے شہروں کو کنکریٹ کے جنگل میں بدل دیا ہے۔ چپّے چپّے پر مادی ترقی نے درختوں، ندیوں اور پرندوں کے مسکن نگل لیے ہیں۔ یہ احساس بھی شد و مدّ کے ساتھ ابھرا کہ فطرت نے بھی چپ چاپ پسپائی اختیار کر رکھی ہے۔ لاک ڈاؤن کے عالم میں انسان اپنے ہی بنائے گئے مسکنوں میں قید ہوا تب فطرت نے وہ سانس لی جو مدتوں سے رکی ہوئی تھی۔ پرندوں کا شہروں میں لوٹ آنا، ان کی آوازوں کا سنائی دینا، درختوں پر ان کے بسیروں کی بحالی، محض منظر نامہ کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ ایک علامت بنی اُس غیر انسانی ترقی کے ردعمل کی جو ہر ذی روح کی زندگی پر قابض ہو چکا تھا۔ پرندے جب لوٹے تو ان کی پرواز میں فقط آزادی نہیں بلکہ اس فطری مسرت کی بازگشت تھی جسے ترقی نے چھین لیا تھا۔ یہ منظر نامہ دراصل ایک تہذیب کی باز آفرینی بھی تھا جسے انسان نے سب کچھ تسخیر کرنے کے جنون میں گنوا دیا تھا۔ مثال دیکھیے:

"پرندے واپس آگئے تھے
انسانی آبادیوں نے انھیں جیسے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا تھا، اُن کے شجر سرکنڈے اور جنگل چھین کر انہیں بے گھر کر دیا تھا۔ اب انسان دبک کر اپنے قید خانوں میں مقفل ہو چکا تھا اور یہ مہاجر اپنے آبائی وطن میں لوٹ آئے تھے جیسے شاید کبھی فلسطینی مہاجر کسی معجزے کے رُونما ہونے پر اپنے آبائی گھروں میں لوٹ آئیں تو اُن کے چہروں پر جو مسرت پھوٹ رہی تھی۔۔ اپنے وطن لوٹ آنے کا ہیجان خیز معجزہ۔ (۶)

ایک اور مثال دیکھیے:

"تم نے کبھی تو سوچا ہو گا کہ انسان کی محبت خود پسند نہ ہوتی تو اس کے لیے گھر قید کا پنجرہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہر گز نہ بنتا۔ ہم نے اپنی انجوائے منٹ کے لیے ان معصوم ہوا بازوں کو قید کیا۔ آج اُس رب نے ہمیں قید کی صعوبتوں کی شدید کے لیے ہم پر کورونا جنگ مسلط کر دی ہے۔اے آزاد خوبصورت پنچھی جا اُڑ جا آزاد کھلی فضاؤں میں۔ یہ پنجرہ تمھارا مسکن نہیں ہے یہ تو ہماری آماجگاہ ہے جس کا سودا ہم نے خود ہی تو کیا ہے۔ پھر رونا کیسا؟" (۷)

انسان نے اپنے اعمال و افعال کے ذریعے فطرت کے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھا تھا۔اس کی بے جا دخل اندازی نے فطرت کی اہانت کی قیمت کرونا اور اس سے قبل دوسری وباؤں کی صورت ادا کی۔ فطرت کی جانب سے مزاحمت کا سامنا اب اس انسان کو تھا جو اپنے ہی زعم میں ہر شئے کو کچل دینے کا خواہاں ہے۔جب فطرت کا ردعمل ظاہر ہوا تو قریہ قریہ، نگر نگر سنّاٹے کا راج ہوا۔انسان جو پنچھیوں کو مقید کرتا تھا خود قید میں چلا گیا۔ایک اور مثال دیکھیے:

"شام کے پانچ بج چکے تھے۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے،جب کبھی بادل کا کوئی ٹکڑا سورج کے سامنے آتا تو سورج ماند پڑ جاتیں۔پرندے خوب ہوا میں مستیاں کرتے ہوئے غوطے کھا رہے تھے،ایسے معاون ہوتا تھا جیسے وہ اپنی آزادی کا جشن منا رہے ہوں اور انسانوں کی قید کا تمسخر اڑا رہے ہوں۔" (۸)

انسانی آنکھ نے دیکھا کہ قبروں، ایمبولینسوں، ہسپتالوں اور وینٹی لیٹروں پر خوفِ مرگ سے نبرد آزما انسان ہی ہر طرف نظر آنے لگے۔ آئی سی یو کا دروازہ کھلتے ہی ایک عجیب سی فضا انسان کو گھیر لیتی۔ یہ عام وارڈ جیسا نہیں ہوتا یہاں زندگی اور موت کے درمیان ایک باریک لکیر کھنچی محسوس ہوتی ہے۔ ہر بستر کے گرد مشینوں کا حصار اور مسلسل بیپ خاموشی کو چیرتی ہے۔مانیٹر کی اسکرین پر چلتی لکیریں ایسے معلوم ہوتیں جیسے سانسوں کی تحریر لکھی جا رہی ہو۔روشنی مدھم مگر تیز احساس لیے ہوئے تھی۔ اینٹی سیپٹک(Antiseptic) دوا کی فضا میں رچی ہوئی مہک ،سفید لباس میں ملبوس ڈاکٹر اور نرسیں تیزی مگر سکون کے ساتھ حرکت کرتیں۔۔ یہاں وقت عام گھڑیوں سے نہیں چلتا بلکہ دل کی دھڑکنوں اور سانسوں کی رفتار سے ناپا جاتا ہے۔ مریضوں کے چہروں پر آکسیجن ماسک یا وینٹی لیٹر کی نالیاں، شیشے کے پار کھڑے لواحقین کی بے بسی اور عملے کی آنکھوں میں تھکن کے باوجود عزم سب مل کر ایک ایسا منظر بناتے تھے جو دل پر نقش ہو جاتا۔ آئی سی یو(ICU) میں خاموشی بھی بولتی تھی۔ کبھی کسی مانیٹر کی اچانک تیز

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

آواز سب کو چونکا دیتی ، کبھی ڈاکٹر کی نرم آواز امید کی کرن بن جاتی۔ یہاں ہر سانس قیمتی ہے اور ہر لمحہ فیصلہ کن تھا۔ مثال دیکھیے:

"ایک بے حس غفلت بھرا سناٹا ہے۔
بدن کسی سکتے میں اتر چکا ہے..
زندگی جہاں دھڑکتی ہے اُس کے نظام میں خلل آگیا ہے...
البتہ دماغ کی جانب سے کچھ غیر واضح بار بار منقطع ہوتے اشارے آرہے ہیں۔ میں کسی بلیک ہول میں نگلا جارہا ہوں جس کے ایک جانب حیات کی کہکشائیں کبھی بجھتی کبھی جگمگاتی ہیں اور دوسری جانب اس بلیک ہول کے پار ایک سیاہ بے انت خلا ہے جس کی جانب میں ایک بے اختیار کیفیت میں لڑھکتا جارہا ہوں۔ کوئی نامعلوم جہان ہے اس کے پار جو ایک مقناطیس کی مانند مجھے اپنی جانب کھینچتا چلا جارہا ہے۔ اور طے نہیں، واضح نہیں ہو رہا کہ زندگی کی ڈور کٹ چکی ہے اور یہ اس کے دھاگے میں آخری لرزشیں ہیں یا ابھی تک کوئی ربط موجود ہے. میں ادھر ہوں اور اُدھر کے سفر میں ہوں یا میں اُدھر پہنچ چکا ہوں، طے نہیں ہو پا رہا۔ دماغ کی جانب سے اشارے بھی اب اٹک اٹک کر آرہے ہیں.. میں مکمل طور پر تو معدوم نہیں ہوا ورنہ یہ اشارے اٹک اٹک کر بھی نہ آتے بے حس غفلت بھرے سناٹے میں احساس کا ایک شرارہ بھی نہ پھوٹتا اگر ڈور کٹ گئی ہوتی، میں معدوم ہو چکا ہوتا.
کہیں نہ کہیں کچھ طے پا چکا تھا اور میں لاعلم تھا کہ کیا طے پایا ہے۔ بس اتنا علم ہے کہ یا تو میں فنا کی جانب بڑھتے ایک بہاؤ میں ہوں یا پھر بقا کی جانب بہتا جارہا ہوں.. یا پھر میرا وجود اپنے زمینی وزن سے ماورا ہو کر ایک بے حس کیفیت میں معلق ہو چکا ہے" (۹)

تنہائی صرف مکانی نہیں بلکہ جذباتی اور تعلقاتی سطح پر بھی انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔ خاص طور عمر رسیدہ افراد کے لیے یہ کیفیت مزید پیچیدہ اور المناک ہو جاتی ہے۔ وبا کے دنوں میں حفاظتی تدابیر کے تحت سماجی فاصلہ لازم قرار پایا مگر اس فاصلہ نے بزرگوں کو اپنے ہی گھروں میں تنہا کر دیا۔ یہ محض ایک حفاظتی تدبیر نہ تھی بلکہ ایک سماجی رویے کی عکاسی بھی تھی جس میں خوف نے تعلق کی اہمیت کو بے وزن کر دیا۔ ناول نگار اس صورتحال کو محض قبول نہیں کرتے بلکہ اس پر ایک داخلی احتجاج بھی کرتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے ناول شہر خالی کوچہ خالی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

میں بیٹے کا اپنے والد کو اپنا خیال رکھنے کا مشورہ، در حقیقت ایک جذباتی علیحدگی کا اعلامیہ معلوم ہوتا ہے۔ گو وہ جانتے ہیں کہ بچوں کے جذبے خالص اور خیر خواہانہ ہیں مگر وہ انسان کی اس کیفیت پر طنز کرتے ہیں کہ جب محبت فاصلہ اختیار کر لے تو قربت کے تمام معانی بے معانی ہو جاتے ہیں۔ خاندان، دوستی اور ہمسائیگی کے تعلقات مختلف سوالات کے ساتھ سامنے آتے ہیں کیا جسمانی دوری جذباتی دوری بھی بن جاتی ہے؟ مثال دیکھیے:

> "میرے پوتے پوتیاں جو وبا کے اولین دنوں میں، قرنطینہ کے آغاز میں مجھ سے دوری اختیار کر کے نہایت پُر مسرت ہو کر کہنیوں کی حرکت سے مجھے ہیلو دادا کرتے تھے اور لب سکیٹر کر مجھے دوری کے بوسے بھیجتے تھے، اس روٹین سے بیزار ہوتے جا رہے ہیں۔
> میں انھیں موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا کہ اُن کے لیے میری محبت بھی میکانکی ہوتی جاتی ہے۔ تنہائی اس محبت کو گھن کی مانند چاٹتی جاتی ہے۔" (۱۰)

کرونا کے زمانے میں انسان صرف ایک وائرس سے نہیں لڑ رہا تھا بلکہ ایک دوسرے سے بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ فاصلے صرف جسمانی نہیں رہے دلوں کے درمیان بھی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ وبا کے ابتدائی دنوں میں ہر شخص دوسرے کو ممکنہ خطرہ سمجھنے لگا۔ کسی کا کھانس دینا چھینک دینا یا قریب آ جانا شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ رشتوں میں احتیاط کی جگہ بدگمانی نے لے لی۔ پڑوسی جو کبھی دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کے دروازوں سے کترانے لگے۔ ہاتھ ملانے اور گلے لگنے جیسی سادہ انسانی حرکات بھی خطرے کی علامت بن گئیں۔ یہ خوف صرف جسمانی بیماری کا نہیں تھا بلکہ تنہائی، بے یقینی اور موت کے اندیشے کا بھی تھا۔ سوشل میڈیا اور خبروں نے اس خوف کو مزید بڑھایا۔ روزانہ بڑھتی ہوئی اموات کے اعداد و شمار انسان کے ذہن پر ایسا اثر ڈالتے کہ ہر چہرہ مشکوک لگنے لگتا۔ بعض جگہوں پر متاثرہ افراد اور ان کے خاندانوں کو معاشرتی دوری سے زیادہ سماجی نفرت کا سامنا کرنا پڑا:

> "مومو میرا تو دل غم اور دُکھ سے پھٹ جائے گا۔ کیا تم چند دنوں کی چھٹی لے سکتی ہو اور کیا میں وجدان کے پیرنٹس کے پاس افسوس کے لیے جا سکتی ہوں۔ اتنی جوان موت کو اُس کی ماں کیسے برداشت کرے گی۔ وہ ہاتھ مل رہی تھیں۔ دادی دونوں کام نہیں ہو سکتے۔ آپ گھر میں ہی آرام کریں بلکہ ماما اور بابا کو بھی آپ ہی روک سکتی

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

ہیں۔ وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایسا نہ ہو آپ کی وہاں کسی کیریئر سے ملاقات ہو جائے ۔ اس لیے آپ سب گھر سے ہی ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کریں۔"(۱۱)

کرونا نے موت کو روزمرّہ کی ایک عام خبر بنا دیا۔ ناول نگاروں نے اس احساس کو علامتی اور حقیقی دونوں سطحوں پر برتا ہے۔ زندگی کا سفر آگے بڑھتا ہے اور موت جیسی ظالم حقیقت بھی کسی کو منجمد نہیں کر سکتی۔ انسان چاروناچار اس حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتا ہے۔ ممکن اور ناممکن کے دوراہے پر کھڑا انسان امید کے بل پر آگے بڑھتا ہے تاکہ زندگی آگے بڑھ سکے:

"اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا، اُسے اپنے آپ کو پانیوں میں دفن ہونے سے بچانا تھا تا کہ وہ واپس جا کر کشتی والے کو وہ خبر دے جس کا وہ اور کشتی میں پناہ لیے ہوئے انسان اور حیوان منتظر تھے.

فاختہ نے اپنی اُس بے اختیاری کو جو اسے لڑھکاتی، گھمائی، بے بس کرتی پانیوں کی موت کی جانب لیے جا رہی تھی اُسے اپنے اختیار میں کیا، بدن کے وہ روئیں جن کی جڑیں سوکھ چکی تھیں، مردہ ہونے کو تھیں اُن میں اُس لمحے غیب سے جو زندگی کی رمق اتری تھی، اسے بھرا۔ اور اس غیبی رمق نے ہر روئیں کو کہا، رک رک ..بے اختیاری کی پھڑ پھڑاہٹ سے کہا تھم تھم اور بال و پر میں رکتے ہوئے خون سے کہا، رواں ہو، رواں ہو..

منڈیر تیزی سے نزدیک آتی جاتی تھی اور جب اُس کے درمیان چند لمحوں کا مختصر فاصلہ رہ گیا تو یکدم وہ اُس سکت اور قوت کو بروئے کار لائی جو ابھی ابھی اُسے عطا ہوئی تھی اور منڈیر کے عین اوپر ایک پل کے لئے معلق سی ہو گئی اور پھر اگلے پل وہ گری نہیں اپنے اختیار میں آچکے نئی حیات کی پھونک سے زندہ ہو چکے بال و پر کو سنبھال کر آرام سے خشکی کے اس ٹکڑے پر اتر گئی جس کی تلاش میں وہ اڑان کی کئی زندگیاں بسر کر چکی تھی۔ بار بار مرنے کو تھی اور ہر بار جی اٹھی تھی۔" (۱۲)

ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

ماہرین صحت کے مطابق مؤثر ہینڈ سینیٹائزر میں کم از کم ۶۰ سے ۷۰ فی صد الکحل ایتھانول یا(Ethanol)آئسوپروپائل(Isopropyl)الکحل ہونی چاہیے۔یہی مقدار وائرس کے بیرونی خول کو توڑ کر اسے غیر فعال کرتی ہے۔بعض لوگوں میں الکحل کے استعمال کے حوالے سے مذہبی سوالات بھی پیدا ہوئے مگر بیشتر علما نے طبّی ضرورت اور بیرونی استعمال کو جائز قرار دیا کیونکہ یہ نشہ آور استعمال نہیں بلکہ جراثیم کش مقصد کے لیے ہے۔ناول نگاروں نے اس بات کا تذکرہ اپنے اپنے انداز میں کیا ہے۔کہیں اس کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی گئی اور کہیں طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے:

> ”وبا کے دوران مذہبی تعبیرات توہمات اجتماعی عبادات کی بندش اور تقدیر و تدبیر کی بحثیں ناولوں کے مکالموں اور واقعات میں جگہ پاتی اس وبا کی آمد نے مذہبی معیار بھی بدل دیئے ہیں... سینی ٹائزر خریدتے ہوئے لوگ کیمسٹ سے پوچھتے ہیں کہ حضرت اس میں خالص الکوحل ہے ناں، ٹیلیویژن پر ان دنوں سینی ٹائزرز کے اشتہارات کی بھرمار ہے جن میں جلی حروف میں درج ہوتا ہے کہ ہماری پروڈکٹ سو فیصد خالص الکوحل سے تیار کی جاتی ہے اور سب مفتی سب مشائخ وغیرہ منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے ہیں،نہ کوئی دھمکی نہ کوئی فتویٰ کہ آخر اس حرام شے کی بر سرِ عام تبلیغ کیوں کی جارہی ہے۔بلکہ آپ خبروں میں دیکھتے ہیں کہ یہی حضرات نہایت اہتمام سے وزیر اعظم ہاؤس میں داخل ہوتے ہوئے اس سے وضو کر رہے ہوتے ہیں یہاں تک کہ مسجدوں کے باہر بھی سینی ٹائزرز کی بوتلیں بھی ہوتی ہیں اور نمازی حضرات اس سے مستفید ہوتے ہیں،نہ کوئی اعتراض نہ کوئی شرعی دھمکی کورونا پر جو تحقیق جاری ہے اگر اس نتیجے پر پہنچے کہ الکوحل کورونا کو دور رکھنے کے لئے معاون ثابت ہو سکتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ باقاعدگی سے نہ ہی کبھی کبھار یہ حضرات گھونٹ دو گھونٹ پی ہی لیں،یا جس قدر ملے اور صبح کو توبہ کرلیں۔“(۱۳)

کرونا کے پس منظر میں لکھے گئے ناولوں میں ہسپتالوں، آئی سی یو،ڈاکٹروں اور طبی عملے کی قربانیوں کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔زندگی اور موت کی کشمکش وینٹی لیٹر پر سانس لیتے مریض اور لواحقین کی بے بسی ۔یہ سب مناظر ناول کے بیانیے کا حصّہ بنے۔اس کے ساتھ ساتھ مزدور طبقے کی مشکلات ،بیروزگاری ، نقل مکانی اور معاشی بحران کو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

بھی موضوع بنایا گیا، جس سے سماجی ناہمواری اور طبقاتی فرق مزید واضح ہو کر سامنے آیا۔ سماجی فاصلے نے ملازمین کو بھی اپنے گھروں پر بھیجنے پر مجبور کیا جس سے گھریلو زندگی کا نظام بھی متاثر ہوا۔ مثال دیکھیے:

"ان کی چھٹی اور تنخواہ کا کیا ہو گا؟ مجھے یہ بھی سمجھا دو مومو۔ تنخواہ نوکر وصول کریں اور کام کریں ہم۔ یہ تو بات نہ ہوئی۔ وہ سختی سے بولی۔

وہ تو میں کہہ چکا ہوں کہ انھیں بمعہ تنخواہ کے چھٹی بھیجنا ہے کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ یہ ان کے سروائیول کا مسئلہ ہے۔ یہ مسکین، غریب اور بے بس لوگ پہلی تاریخ کا انتظار ایسے کرتے ہیں جیسے ہم رمضان کے بعد عید چاند کا کرتے ہیں۔ اس لیے زیادتی اور بے انصافی کا تصور بھی مت کرنا۔ زید نے سختی سے کہا۔ مجھے تمہاری دوغلی پالیسی کی قطعاً سمجھ نہیں آرہی۔ ایک طرف دیہاڑی کے مزدوروں پر ترس۔ دوسری طرف ملازموں پر سختی۔"(۱۴)

ذخیرہ اندوزی ایک غیر اخلاقی اور غیر انسانی عمل ہے جو معاشرتی توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔ قدرتی آفات اور وباؤں کے دوران ذخیرہ اندوزی مزید سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ذخیرہ اندوزی سماجی بے چینی اور بداعتمادی کو فروغ دیتی ہے:

"میڈیکل سٹور سے باہر نکلنے کے بعد کاشف کی نظریں یک دم سڑک کے دوسرے کنارے پر واقع آخری میڈیکل سٹور کی طرف گئیں۔ اب کاشف نے اس سٹور کی راہ لی۔ راستے میں کاشف اپنے آپ سے بولنے لگا، "اُف اللہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اس مصیبت کے وقت میں بھی اپنا کاروبار چمکانے کے لئے ذخیرہ اندوزی سے کام لے رہے ہیں۔ کیا ان کے اندر تھوڑی سی بھی انسانیت باقی نہیں ہے؟" چند لمحے بعد وہ "ہیلتھ از ویلتھ" نامی میڈیکل سٹور کے باہر موجود تھا۔ کاشف شیشے کا دروازہ کھول کر سٹور کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ اندر ایک دراز قد نوجوان، جس نے جینز کی پینٹ اور شرٹ پہنی ہے

اور جس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی ہے، سامنے کاؤنٹر پر موجود ہے۔

جی سر کیا چاہئیے آپ کو؟ نوجوان نے پوچھا۔

کیا آپ کے پاس اڑھائی سو روپے والا ماسک کا ڈبہ ہے؟ کاشف بولا۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

اڑھائی سو روپے والا تو نہیں البتہ دو سو روپے والے ماسک کا ڈبہ ضرور ہے"۔

دو سو روپے والا "کاشف کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

جی سر کیونکہ کورونا ہے اسی وجہ سے ہم نے ماسک کے ڈبے کے اوپر اپنا پرافٹ کم کر دیا ہے اور اس کی قیمت دو سو روپے مقرر کر دی ہے"۔ (۱۵)

کرونا کے دنوں میں ایک عجیب سماجی رویہ سامنے آیا۔ بہت سے لوگ تمام معلومات خبروں اور ذاتی تجربات کے باوجود بھی وبا کے وجود یا سنگینی کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس رویے کو محض لاعلمی نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ نفسیاتی سماجی اور فکری عوامل کا مجموعہ تھا۔ انکار (Denial) کی نفسیات کے مطابق انسان جب کسی بڑے خوف یا غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہوتا ہے تو وہ بعض اوقات حقیقت کو ماننے کے بجائے اس کا انکار کر دیتا ہے۔ کرونا چونکہ موت تنہائی اور معاشی تباہی کا پیغام لایا تھا اس لیے کچھ لوگوں نے ذہنی سکون کے لیے یہ مؤقف اختیار کیا کہ یہ سب میڈیا کا ڈراما ہے۔ ہماری قوم کو کچھ نہیں ہوتا۔ یہ دراصل خوف سے بچنے کی ایک دفاعی حکمت عملی تھی۔ سوشل میڈیا پر بے شمار افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ یہ ایک عالمی سازش ہے۔ ویکسین میں چِپ (Chip) ہے نیز اموات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ ایسی باتوں نے عوام کے ایک طبقے کو سائنسی حقائق سے دور رکھا۔ کچھ افراد نے اسے محض خدا کا امتحان" کہہ کر احتیاطی تدابیر کو غیر ضروری سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ موت کا وقت مقرر ہے، احتیاط بے معنی ہے۔ یہ سوچ احتیاطی اقدامات میں غفلت کا سبب بنی:

"زید جی میرا تو خیال ہے کہ یہ سب کھیل تماشا دنیا کو ڈرانے دھمکانے کے لیے رچایا گیا ہے۔ کبھی چائنہ مورد الزام کہ اُس نے دنیا بھر میں وائرس چھوڑا ہے کبھی بل گیٹ پر الزام کہ اُس نے اپنی تجوری کو مزید بھرنے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ سب کی یہی پیشین گوئی ہے کہ ویکسین وہی بنانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ میں آج دل کی بات کہوں۔ مجھے یہ سب بکواس لگ رہا ہے۔ یہ فلو کی ایک بگڑی ہوئی قسم کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس سے پہلے برڈ فلو آیا اور گزر گیا۔ پھر میڈ کاؤ کا شوشہ اُڑا اور ختم ہو گیا۔" (۱۶)

ایک اور مثال دیکھیے:

"کیا آپ روزانہ ٹی وی پر خبریں نہیں دیکھتے؟ کورونا کی وجہ سے دوسرے ممالک میں کتنے لوگ مر رہے ہیں۔ انھوں نے بھی شروع میں کورونا کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا اور آج یہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

حال ہے کہ ان ملکوں میں لوگوں کو دفنانے کے لیے زمین کم ہو گئی ہے۔۔

بیوی کے اتنا سمجھانے کے باوجود بھی فرقان حمید پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا، "کورونا ورونا کچھ نہیں ہے، اور میرے نزدیک غریب کو کوئی جان لیوا بیماری نہیں ہو سکتی، تمام جان لیوا بیماریاں امیر لوگوں کو ہی ہوتی ہیں۔ "(۱۷)

مختصر یہ کہ کرونا کے وبائی مرض نے نہ صرف روزمرہ کی زندگی میں خلل ڈالا بلکہ ادبی تخیل کو بھی نئی شکل دی۔ اردو ناول نگاروں نے لاک ڈاؤن، ہسپتال کے مناظر، مہاجرین کے بحران، معاشی عدم استحکام اور نفسیاتی صدمے کو مرکزی بیانیہ کے عناصر کے طور پر پیش کیا۔ ان ناولوں میں، گھر جو کبھی سکون کی علامت تھا، اکثر قید کی جگہ بن جاتا ہے، جب کہ ہسپتال زندگی اور موت کے درمیان جدوجہد کے شدید مقامات کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ناول نگاروں نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ کس طرح سماجی دوری جذباتی فاصلے پیدا کرتی ہے۔ غلط معلومات خوف وہراس پھیلاتی ہیں اور ٹیکنالوجی رابطے کا بنیادی ذریعہ بنتی ہے۔ ناولوں میں تنہائی، وجودی اضطراب اور انسانی رشتوں کی نزاکت کے موضوعات کو نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے نیز ایسے مناظر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جہاں وبائی مرض اخلاقی، سماجی اور روحانی بحران کا استعارہ بن جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر کرونا نے اردو ناول کے موضوعاتی دائرہ کار کو وسیع کیا اور عصری ادبی اظہاریے کو نئی سمت دکھائی۔

حوالہ جات

۱۔ اورحان پامک۔ وبا کے ناول ہمیں کیا سکھاتے ہیں (مترجم) شہلا نقوی۔ مشمولہ دنیازاد (وبا نمبر) (مرتبہ) آصف فرخی۔ کتابی سلسلہ ۴۹۔ کراچی: شہرزاد۔ ۲۰۲۰ء۔ ص ۳۹

۲۔ اولگاتوکارچک۔ کھڑکی سے ایک نئی دنیا کا نظارہ (مترجم) نجم الدین احمد۔ مشمولہ دنیازاد (وبا نمبر) (مرتبہ) آصف فرخی۔ ص ۳۴

۳۔ مستنصر حسین تارڑ۔ شہر خالی کوچہ خالی۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء۔ ص ۱۷۱

۴۔ محمد طاہر اشتیاق۔ کیا کورونا کچھ نہیں؟۔ لاہور: بک ہوم، ۲۰۲۱ء۔ ص ۳۷

۵۔ مستنصر حسین تارڑ۔ شہر خالی کوچہ خالی۔ ص ۷۹۔۷۸

۶۔ ایضاً۔ ص ۲۸

۷۔ رفاقت جاوید۔ وبا کے اس پار زندگی۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء۔ ص۔ ۱۷۲

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-44

۸۔ محمد طاہر اشتیاق۔ کیا کورونا کچھ نہیں ؟ ۔ ص ۳۷۔۳۶
۹۔ مستنصر حسین تارڑ۔ شہر خالی کوچہ خالی۔ ص۱۹۶۔۱۹۵
۱۰۔ ایضاً۔ ص۱۱
۱۱۔ رفاقت جاوید۔ وبا کے اس پار زندگی۔ ص۱۵۷
۱۲۔ مستنصر حسین تارڑ۔ شہر خالی کوچہ خالی۔ ص۲۱۳۔۲۱۲
۱۳۔ ایضاً۔ ص۱۱۶
۱۴۔ رفاقت جاوید۔ وبا کے اس پار زندگی۔ ص۱۴۶
۱۵۔ محمد طاہر اشتیاق۔ کیا کرونا کچھ نہیں؟۔ ص۳۰
۱۶۔ رفاقت جاوید۔ وبا کے اس پار زندگی۔ ص ۱۴۳
۱۷۔ محمد طاہر اشتیاق۔ کیا کرونا کچھ نہیں۔ ص ۱۴